حضرت مولوی غلام رسول عالمپوریؒ

(ڈاکٹر صغرا صدف)

ڈائریکٹر۔ پنجاب انسٹیٹیوٹ لینگوئج، آرٹ اینڈ کلچر، لاہور، پاکستان

1849ء کو ضلع ہوشیار پور کے ایک گاؤں عالمپور میں ایک ایسے ذہین فطین بچے نے جنم لیا جسے خدا نے ظاہری آنکھوں کے ساتھ ساتھ وجدانی بصیرت بھی عطا کی تھی جس کے باعث عالمپور اس کے نام کا حصہ بن کر پوری دنیا میں معروف ہو گیا۔ مولوی صاحب کا زمیندار گھرانے سے تعلق تھا اس لئے انہوں نے بھی یہی پیشہ اختیار کیا، یہ الگ بات ہے کہ دھرتی خاکی نہیں نورانی اور وجدانی تھی جو طبیعاتی اور مابعد الطبیعاتی دنیا کے بہت سے راز اُن پر افشا کرتی تھی۔ اِن رازوں کو عام زبان میں بیان کرنا ناممکن تھا۔ اس کے لئے علامتی پیرائے میں لپٹے لفظوں کی ضرورت تھی۔ انسان اپنے مسئلے کا حل ماحول ہی میں تلاش کرتا ہے۔ مولوی صاحبؒ نے بھی شروعات اسی سے کی۔ انہوں نے دلوں کی بنجر زمین کو آنسوؤں کے پانی سے نرم کر کے اُس میں معرفت کے پانی میں دُھلے لفظوں کے بیج بوئے جن سے فکر اور تصوف کے ایسے درخت اُگے جن کا پھل وجود کی ترقی وخوشحالی کا ضامن ٹھہرا اور ان کی خوشبو محبت، علم اور ادب کی پیام بر بنی۔ جن کا سایہ دُکھی اور بے آسرا لوگوں کے لئے خیمہ ٔجان بنا۔ اس زمین کی فصل کے نصیب میں خزاں نہیں لکھی گئی۔ دریائے بیاس سے ایک میل کے فاصلے پر علم، ادب، دین اور تصوف کا چشمہ پھوٹا جس میں طلبِ علم رکھنے والوں کیلئے معجزانہ تاثیر تھی اور یہ تاثیر ان کی حیات کے فانی درجے سے لافانیت کی طرف سفر کے بعد بھی باقی ہے۔

انیسویں صدی کا یہ دور برصغیر سمیت دنیا بھر کے لئے عجیب تضادات سے بھرا دور تھا۔ نئی اور پرانی قدروں کا ادغام ہو رہا تھا۔ لفظ اپنے معنی اور مفہوم کے پیرہن بدل رہے تھے۔ وقت نازک بھی تھا اور کڑا بھی، سائنس کی ترقی اور ایجادات عام انسان کے ذہن میں کئی سوال پیدا کر رہی تھیں۔ برصغیر پر انگریز قابض تھے۔ 1857ء کی جنگ کے تمام کانٹے مسلمانوں کے رستوں کی زینت بنا دیئے گئے تھے۔ ظاہری اور معاشی رکاوٹوں کے ساتھ ساتھ انہیں معاشرے کا ناکارہ حصہ سمجھ کر پستی کی دلدل میں پھینک دیا گیا جہاں بے عملی اور تنزلی ان کا مقدر تھی۔ اُس وقت دلدل سے نکلنا آسان نہیں ہوتا جب باہر حالات سازگار نہ ہوں اور کوئی ہاتھ شفقت کا استعارہ بھی نہ بنے۔ اس کے لئے انسان کو اپنے ارادے اور حوصلے کو چٹانوں کی طرح مضبوط بنانا پڑتا ہے اور یہ مضبوطی کی تحریک دیے کی طرح ہوتی ہے جسے روشن ہونے کے لئے کوئی وسیلہ چاہئے ہوتا ہے۔

اس دور کے عالموں، دانشوروں نے تو اپنا فرض کما حقہ ادا کیا مگر وقت کے جبر کو للکارنے اور نوجوانوں میں جذبہ حمیت پیدا کرنے کے لئے صوفی اور ولی بھی میدان میں نکل آئے۔ گو ان کا طریقہ مختلف تھا۔ یہ صوفی اور ولی دلوں، روحوں اور مزاجوں کے طبیب تھے۔ جانتے تھے اپنی بات کیسے دوسروں تک پہنچائیں کیونکہ داستان کے ذریعے عام لوگوں کے ذہنوں کو مائل کرنا آسان تھا۔ انہوں نے داستانوں کے ذریعے لوگوں کو اپنے گرد جمع کرنا شروع کیا۔ خالصتاً روحانی اور تاریخی داستانوں کے سنہری اوراق پر حکمت کے وہ موتی ٹانک دیئے جو تعویذ کی طرح انسان کو نفسانی آلائشوں کے شر سے بچاتا اور حق کا علم بلند کرنے کا باعث تھا۔ میاں محمد بخش 1845ء اور مولوی غلام رسول

عالپوریؒ 29 جنوری 1849ء میں پیدا ہوئے۔ دونوں بزرگوں کا زمانہ ایک ہی ہے اورنظریات میں بھی کافی یکسانیت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کو ایک سا ماحول ملا تھا۔ جب اسلام اور مسلمانوں دونوں کے لئے فضا ناسازگار بنائی جارہی تھی۔ اس لئے ان دونوں صوفیوں نے باقاعدہ شرعی مسائل اور علمی مباحث کو اپنا موضوع بنایا۔ مولوی غلام رسول عالپوریؒ کی زندگی اور تخلیقات میں کئی معجزاتی کہانیاں پوشیدہ ہیں۔

مولوی صاحبؒ ظاہری علوم میں خاص مہارت نہ رکھنے کے باوجود ایک ایسے عالم تھے جن کا ہر لفظ رمز کی طرح ہے۔ جس میں سے معنی کے جلوس نمودار ہوتے ہیں۔ ان کے دِل پر قدرتِ مطلق کے جلووں کا عکس تھا۔ وہ سارے علوم جو خدا نے حضرتِ آدمؑ کی سرشت میں رکھے تھے ولی اپنی فطرت کی سچائی اور رب سے گہرے قرب کے باعث ان تک آسانی سے رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ مولوی غلام رسول عالپوریؒ کے لئے وہبی نظریات کا آئینہ اتنا صاف بنا دیا گیا تھا کہ لوحِ دل پر ازل کے تحریر کردہ علوم کو صاف صاف پڑھ سکیں۔ پندرہ برس کی عمر جو کہ لڑکپن، بے فکری اور بھولپن کی نمائندہ ہوتی ہے اس عمر میں انہوں نے ''داستانِ امیر حمزہ'' کی پہلی جلد لکھ ڈالی۔ جس میں دینی، تاریخی، علمی حقائق ہیں اور ساتھ امیر حمزہ کی شجاعت ہندوستان کے نوجوانوں کے لئے پیغامِ زندگی ہے۔ مشکلات سے نکلنا مشکل سہی مگر ناممکن نہیں۔ 20,000 (بیس ہزار) اشعار پر مشتمل یہ قصہ بیس سال کی عمر میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اُن کا دوسرا بڑا کارنامہ ''احسن القصص'' ہے جو انہوں نے 24 سال کی عمر میں تحریر کی اور جس کے اشعار کی تعداد قرآنِ حکیم کی آیات کے برابر یعنی 6666 ہے۔ دس بارہ برس کی عمر سے شاعری شروع کرنے والے مولوی غلام رسول نے پنجابی زبان میں قرأت کے قوائد اور قرانی معلومات پر اُنیس سال کی عمر میں تحریر کی۔ مولوی صاحبؒ کے کلام میں حیرتوں کے کئی پہاڑ اور اسرار کے تہہ خانے ہیں۔ مثلاً انہوں نے اتنی ضخیم کتب جو لسانی اور فکری خوبیوں سے مالا مال ہیں سالوں میں تحریر نہیں کیں بلکہ دنوں اور مہینوں میں مکمل کیں۔ دوسرا ان کی تمام کتب کے نام اس طرح ہیں کہ اگر ان کے اعداد نکالے جائیں تو سنِ تالیف معلوم ہو جاتا ہے۔ احسن القصص اور داستانِ امیر حمزہ کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔

مولوی غلام رسول والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ بارہ برس کی عمر میں یتیم ہوئے مگر قادرِ مطلق کی محبت نے یتیمی کو رحمت کے سائے میں بدل دیا اور ان کی زندگی کو اپنی خاص نعمتوں سے سرفراز کیا۔ قلم، کاغذ کی سپہ سالاری بخشی، دلوں میں جھانکنے کا ہنر دیا اور دلوں کے احوال کو رقم کرنے کی صلاحیت بخشی۔ سچے عاشق تھے، خدا کے عشق کے رنگ نے نظر کو اتنا خوبصورت کر دیا کہ جز کُل اور کُل جز میں سما گیا۔ عالپور کو کل عالم سمجھا اور سارا عالم عالپور میں سمٹ آیا۔ اپنی داستانوں میں صرف اخلاقی درس نہیں بلکہ خود بھی اخلاقی قدروں کا عملی نمونہ تھے۔ استاد، طبیب، اردو، فارسی اور پنجابی زبانوں میں مہارت رکھنے والے سلسلۂ قادریہ کی لڑی میں پروئے بزرگ 7 مارچ 1892ء کو عالپور میں ہی اس فانی دنیا کو الوداع کہہ کر ایک اور عالم کی طرف روانہ ہوگئے مگر ان کا جسدِ خاکی اُسی سرزمین کا مقدر بنا اور مشرقی پنجاب کو بھی صوفی کی درگاہ کا شرف حاصل ہوا۔ مولوی غلام رسولؒ کا آستانہ آج دونوں پنجاب باسیوں کے لئے محبت، امن اور بھائی چارے کی علامت بن گیا ہے۔ دونوں اطراف ان کی محبت کا دم بھرنے والے موجود ہیں۔

صوفی اور ولی انسانوں کو مذہبی، سماجی اور نسلی طبقات میں تقسیم کر کے انسانیت کی وحدت کو مجروح نہیں کرتے بلکہ وہ تمام اختلافات

کے باوجود ایکتا اور ہم آہنگی تلاش کر کے اس پر اپنی سوچ مرکوز کر کے ہر قسم کے فرق کی نفی کر دیتے ہیں۔ سکھوں کا بابا فریدؒ اور میاں محمد بخشؒ سے گہرا لگاؤ اور مسلمانوں کی بابا گورو نانک سے دِلی عقیدت اس بات کے ثبوت ہیں۔ ان بزرگوں کی تعلیمات کا فیضان ہے کہ نفرت کی کئی جنگوں کے باوجود امن اور محبت کی شمع گُل نہیں ہو سکی اور دونوں اطراف کے روابط باقی ہیں۔

☆☆☆